اسلامی نظام عدل کی امتیازی خصوصیات

تحریر:- پروفیسر فقیر محمد۔ گورنمنٹ کالج سمن آباد

حکومت کا نظام شخصی ہو یا جمہوری اس کی بنیادیں عدل وانصاف ہی سے مضبوط ہوا کرتی ہیں۔ آغاز انسانیت سے آج تک اسی اصول کی بالادستی دیکھنے میں آئی ہے جب عدل کے ضابطے امیر وغریب اور حاکم ومحکوم کے حوالے سے متعین ہوئے تو بڑی بڑی مضبوط حکومتوں کو بھی جلد زوال کے دن دیکھنے پڑے۔ عدل کے بغیر حکومت ہی کیا کائنات کا نظام بھی برقرار نہیں رہ سکتا۔ جس طرح جسم میں روح، پھول میں خوشبو اور شمع میں روشنی کی اہمیت ہے اسی طرح معاشرے کو برقرار رکھنے میں عدل کی اہمیت ہے۔

اسلام ظلم واستیصال سے پاک معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے ایک جامع اور مربوط نظام عدل رکھتا ہے۔ جس پر عمل کرنے سے معاشرے میں امن امان اور خیر وبرکت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اس وقت پاکستانی معاشرہ میں بے یقینی کی کیفیت طاری ہے۔ عدالتوں سے حصول انصاف بہت ہی مشکل بات ہے۔ انصاف مہنگا اور دیر سے ملتا ہے۔ رشوت اور جھوٹ کی وجہ سے عدالتوں میں بھی بے انصافی کا دور دورہ ہے۔ جب تک اسلام کا نظام عدل پاکستان میں نافذ نہیں کیا جاتا۔ معاشرے کے مسائل لاینحل ہی رہیں گے۔ اس وقت دنیا میں کوئی بھی ملک ایسا نہیں ہے۔ جہاں اسلام کا پورا نظام عدل رائج ہو۔ سعودی عرب میں بھی اسلام کا قانونی اور عدالتی نظام رائج ہے جبکہ سیاسی اور معاشی نظام رائج نہیں ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت کے طور پر حاصل کیا گیا تھا۔ مگر حکمرانوں کو یہاں پر اسلامی نظام عدل رائج کرنے کی آج تک توفیق نہیں ہوئی۔ اسلام کو ایک نعرے کے طور پر استعمال کیا گیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ فوجی حکومت بلا تاخیر اسلام کا نظام عدل پاکستان میں نافذ کرکے دنیاوی اور اخروی سعادت حاصل کرے کیونکہ اسی نظام عدل سے معاشرے کے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام اس وقت دنیا کے مسائل حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اس وقت عالمی سطح پر انسان ایسے نظام کا متلاشی ہے کہ جو مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روح کی تقویت کا بھی سامان کرے اور وہ نظام اسلام ہی ہے۔ اسلام نے عدل وانصاف کے جو قوانین وضع کئے ہیں وہ اتنے سادہ اور سہل الحصول ہیں کہ اگر ان کو اپنا لیا جائے تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ اسلام کو مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات کی بنا پر دوسرے نظاموں پر فوقیت حاصل ہے۔

مفت اور بلا تاخیر انصاف کا حصول

اسلامی نظام عدل کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں اپنے حقوق کے حصول کیلئے بے تحاشا خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ انصاف کے حصول میں بے جا تاخیر سے کام نہیں لیا جاتا۔ دور رسالت مآب ﷺ اور بعد کے اسلامی ادوار میں فیصلے فوری ہوتے تھے بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کی چوری کا قضیہ (۱) ہو یا غزوہ بدر میں حضور نبی اکرم ﷺ سے حضرت سوادؓ کا قصاص کا مطالبہ ہو (۲)، حضور نبی کریم ﷺ نے مذکورہ مقدمات کا فوری فیصلہ فرمایا۔ انصاف کے حصول میں مدعیوں کو کچھ بھی خرچ نہ کرنا پڑا۔ آپکی اتباع کرتے ہوئے خلفاء راشدین نے بھی لوگوں کو فوری اور مفت انصاف فراہم کیا۔

آج ہمارے ملک میں جو مغربی نظام عدل رائج ہے اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں انصاف مہنگا اور تاخیر سے ملتا ہے اور انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے۔ عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ انصاف بروقت ملے اور اس کے لئے بے تحاشا خرچ بھی

نہ کرنا پڑے۔

افعال و تاثیر

دیگر نظام ہائے عدل (وضعی قوانین) کو معاشرے کے افراد اپنے حالات اور ضروریات کو پیش نظر رکھ کر تیار کرتے ہیں۔ اگر وہ نظام معاشرے کی ضروریات پوری نہ کرے اور قومی امنگوں پر پورا نہ اترے تو وہ اس نظام میں تغیر و تبدل کر دیتے ہیں اور بعض اوقات ان کی قومی امنگیں اور معاشرے کی ضروریات فطرت سے بھی متصادم ہوتی ہیں اور یہ قومی امنگیں بڑے خطرناک نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔ اس قومی امنگ کی ایک مثال ہم جنس پرستی ہے یا باہمی رضامندی سے فعل شنیعہ کا ارتکاب جس کے نتیجے میں آج کل مغربی ممالک میں ایڈز کی خطرناک بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی یورپ کے اس لچکدار رویے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یورپ میں کسی وقت ہم جنس پرستی جرم قابل دست اندازی پولیس اور سات سال قید بامشقت کی متقاضی تھی لیکن آج یہ جرم قابل دست اندازی پولیس نہیں ہے۔ انگلستان کی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا ہوا ہے کہ یہ اب جرم نہیں ہے اس سے محض وقت بہتر طور پر کٹتا ہے۔"(۳)

مذکورہ پیرے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مغربی معاشرہ قانون کو تبدیل کر کے نفسیاتی خواہشات کے مطابق بناتا رہتا ہے۔ سوسائٹی آگے آگے اور قانون اس کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے جبکہ اسلام کا نظام عدل خود معاشرے کو اپنے خطوط اور اساسیات پر چلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"وما ارسلنا من رسول الالیطاع باذن اللہ۔"(۴)

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

دوام اور پائیداری

اسلامی نظام عدل کی اساس وحی الٰہی پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ مستقبل کے سب انقلابات اور ضروریات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس کے بنائے ہوئے نظام عدل میں نقص کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اساسی طور پر اسلامی نظام عدل تغیر اور تبدیلی سے بے نیاز یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام عدل اپنے اندر صفت دوام رکھتا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید کی بے شمار آیات میں عالمگیر اصول بیان کئے گئے ہیں جن میں سے چند اصولوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

"ولاتزروازرۃ وزراخری۔" (۵)

"کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

"لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔"(۶)

اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ مشقت میں نہیں ڈالتا۔

"ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔" (۷) اللہ تعالیٰ عدل وانصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اس کے برعکس وضعی قوانین انسانی ذہن کی پیداوار ہیں۔ کیونکہ انسان خطاء و نسیان کے مرکب ہے۔ اس لئے انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں ضعف و عجز، کم فہمی، نتائج سے عدم واقفیت اور مستقبل سے بے خبری پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون بنتے ہی اس میں ترامیم شروع ہو جاتی ہیں مگر اسلامی قوانین میں پائیداری ہے۔ یہ وہ قوانین ہیں جو قیامت تک نافذ رہیں گے۔ کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود قانون سازی کی ان اساسیات میں معمولی سا نقص اور خفیف سی کجی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم مفکرین اور مقننین نے بھی قانون سازی کی ان بنیادوں کو انقلاب ایام سے قطعاً بے نیاز قرار دیا ہے۔

مساوات

اسلامی نظام عدل کی اہم تین خصوصیت اس کا عطا کردہ تصور مساوات ہے یعنی قانون کے روبرو امیر و غریب، بادشاہ و فقیر، حاکم و محکوم، آجر و اجیر اور عربی و عجمی برابر ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اگر کسی نے ان سے شکایت کی تو آپ نے مدعی کے ساتھ انصاف کیا اور ہر ایک کا حق اسے پورا پورا ادا کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خود خلفاء کے خلاف اگر کوئی مقدمہ دائر ہوتا تو خلفاء کو عدالت میں خود حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنی پڑتی اور اگر خلیفہ وقت کے خلاف حق ثابت ہو جاتا تو اسے عدالت کے حکم کی تعمیل کرنا پڑتی۔ اس لئے کہ کوئی بھی فرد اپنے آپ فریق اور حاکم دونوں نہیں بن سکتا۔ علامہ سرخسی کے الفاظ میں:

"ان الامام لا یکون قاضیا فی حق نفسہ۔"(۸)

ترجمہ:۔ یعنی بے شک حاکم اپنے نفس کے حق

میں قاضی نہیں بن سکتا۔

مگر مغربی نظام عدل کی رو سے بادشاہ کو ایک عام شہری عدالت میں طلب نہیں کیا جا سکتا اور عام عدالتیں وزیر اعظم، صدر اور گورنر پر مقدمہ نہیں چلا سکتیں۔ انگریزی قانون کا ایک اہم اصول ہے کہ بادشاہ کے خلاف کوئی مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ "King can do no wrong"(9) بادشاہ سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اسلام ماسوا انبیاء علیہم السلام کے کسی انسان کو خطاء سے مبرا نہیں سمجھتا۔ پاکستان کی حکومتوں نے بھی برطانوی نظام عدل کی پیروی کی:

آئین پاکستان 1973ء کی دفعہ 248 شق نمبر 2 میں لکھا ہے:

The President, a Governer, the Prime Minister, A Federal Minister, A Minister of State, the chief Minister and a Provincial Minister shall not be answerable to any court for the exercise of powers and performance of functions of their respective office or for any act done or purported to be done in the exercise those powers and performance of those functions.(10)

یعنی صدر، گورنر، وزیر اعظم، وفاقی وزیر، وزیر مملکت، وزیر اعلیٰ اور صوبائی وزیر کسی عدالت کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ اگر وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں یا دفتر امور کی بجا آوری کرتے ہوئے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں۔

مغربی نظام عدل میں حاکم و محکوم کی یہ تفاوت اسلامی نظام عدل سے کوسوں دور ہے۔ اسی طرح از روئے قانون اگر کوئی شخص عدالت میں مجرم ثابت ہو جائے تو کوئی بڑے سے بڑا عہدہ دار بھی اس کی سزا معاف نہیں کر سکتا۔ مگر پاکستان کے آئین میں یہ سقم موجود ہے کہ صدر مملکت عدالت کی جانب سے دی گئی سزا کو معاف کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر صفدر محمود لکھتا ہے:

"1973ء کو آئین کے مطابق صدر مملکت کسی بھی عدالت کی جانب سے دی گئی سزا کو معاف کر سکتا ہے، گھٹا سکتا ہے یا معطل کر سکتا ہے۔"(۱۱)

آئین میں دی گئیں مذکورہ دونوں مراعات اسلامی نظام عدل کے خلاف ہیں۔ لہٰذا اسلامی ملک کی عدلیہ کا فرض ہے کہ جو قوانین قرآن و سنت کے منافی ہوں انہیں منسوخ قرار دے کر ملک میں قرآن و سنت کی بالادستی قائم کرے۔

خوفِ خدا اور تصورِ آخرت

اسلامی نظام عدل کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاشرے کی تربیت خوفِ خدا اور تصورِ آخرت پر کرتا ہے کیونکہ معاشرے پر اگر بہت سی پابندیاں عائد کر دی جائیں اور اس کے باطن کو نہ بدلا جائے تو عقل حیلہ ساز بہت سے چور راستے تلاش کر لیتی ہے۔ اسلام دراصل معاشرے کو اندر سے بدلتا ہے تاکہ قانون شکنی کا کوئی موقع ہی نہ آئے۔ اس اندرونی تبدیلی کے لئے اسلام انسان کے اندر خوفِ خدا پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت کے دن جوابدہی کے دن جوابدہی کا تصور دلاتا ہے۔

قرآن مجید کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذلک الکتاب لا ریب فیه هدی للمتقین۔ (۱۲)

ترجمہ:- اس کتاب میں شک کی گنجائش نہیں۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ۔ و من یعمل مثقال ذرة شرا یره۔ (۱۳)

ترجمہ:- وہ ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر برائی کے ثمرات و نتائج قیامت کے دن دیکھ لے گا۔

جب انسان کی باطنی اصلاح ہو جائے تو پھر وہ برائی کے واضح مواقع حاصل ہونے کے باوجود اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہی ہے وہ بنیاد جس پر اسلامی نظام عدل معاشرے کی تنظیم و تربیت کرتا ہے۔ اسلامی نظام عدل کی دیگر بنیادوں میں سے ایک بنیاد "Prevention is Better than cure" ہے کہ ماحول ایسا بنا دیا جائے۔ احوال و طبائع میں اس نوع کا انقلاب برپا کر دیا جائے کہ انسان خود بخود جرائم سے پرہیز کرے۔

ظلم ہونیسے پہلے اسکی روک تھام

اسلام جرائم ہونے سے پہلے اس کی روک تھام کرتا ہے اور انسدادی تدابیر بروئے کار لاتا ہے۔ وہ تبلیغ، حکمت اور احتساب کے ذریعہ ایسا معاشرہ پیدا کرتا ہے جس میں لوگ خدا تعالیٰ سے محبت اور خوف کے حسین

امتزاج کی وجہ سے جرائم سے باز رہیں۔ اسلامی نظام عدل کی برکت کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قاضی بنایا تو ایک سال کی مدت تک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں کوئی مقدمہ نہ آیا۔(۱۴)

یہ اسلامی حکمت اور قوانین کا نتیجہ تھا کہ گجرات کے بادشاہ احمد شاہ کے تینتیس سالہ دور میں صرف دو قتل ہوتے جبکہ جمہوری امریکہ میں مسلح پولیس کے باوجود ہر سال ہزاروں افراد قتل ہوجاتے ہیں۔ اربوں ڈالر کا مال چوری ہوجاتا ہے نقب زنی اور کاروں کی چوری کی کوئی انتہا نہیں لیکن اسلامی نظام عدل کی یہ برکت تھی کہ سلاطین دہلی کے وقت ایک بڑھیا سر پر زروزیورات کا طشت رکھ کر اکیلی احمد نگر اور بیجاپور کی سرحد تک جاسکتی تھی۔(۱۵)

عبرت ناک سزائیں

اسلامی نظام عدل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جرم ثابت ہونے پر وہ مجرم کے ساتھ کسی رورعایت کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب مجرم ذہنی سطح پر یہاں تک پہنچ جائے کہ اصلاح کی ہر تدبیر ناکام ہوجائے تو پھر ایسے ناسور کو کاٹ دینا معاشرے پر رحم کرنے کے مترادف ہے کیونکہ ایسے مجرم کے ساتھ رعایت کرنے سے شریف آدمی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظام عقوبات میں عبرت ناک سزائیں رکھی گئیں ہیں۔ نظام عقوبات کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں۔

”شریعت نے ایسے معاصی پر حد مقرر کردی ہے کہ جن کے ارتکاب سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور معاشرے کا امن و سکون غارت ہوجاتا ہے۔ وہ معاصی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دوچار مرتبہ کرنے سے ان کی عادت ایسی پڑتی ہے کہ پھر ان سے جان چھڑانا محال ہوجاتا ہے۔ مجرمین پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں ایسے مجرموں کے لئے عبرت ناک سزائیں ناگزیر ہوجاتی ہیں تاکہ معاشرے میں اس جرم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اس کا مرتکب معاشرے میں دیگر افراد کے لئے سامان عبرت بنا رہے اور اس کے انجام کو دیکھ کر لوگ جرائم کے ارتکاب کی جرات نہ کریں۔(۱۶)

اسلام میں قضا کا تصور

اسلامی نظام عدل میں عہدہ قضا بڑی نازک ذمہ داری ہے جس میں تھوڑی سی غفلت بھی عاقبت خراب کرسکتی ہے۔ یہ پھولوں کا ہار نہیں بلکہ کانٹوں کا ایک ایسا تاج ہے جسے طلب کرنا بھی جائز نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا نولي هذا من سأله ولا من حرص عليه۔(۱۷)

ترجمہ:۔ ہم اس شخص کو حاکم نہیں بناتے جو اس عہدے کو طلب کرے یا اس کا لالچ کرے۔

ایک اور حدیث میں عہدہ قضا کی نازک ذمہ داری کا احساس اسطرح دلایا گیا ہے:

”من ولي القضاء او جعل قاضيا بين الناس فقد ذبح بغير سكين۔“(۱۸)

ترجمہ:۔ جو لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کیلئے والی یا قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ عہدہ قضاء قبول کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اپنے سر لینا ہے اور اس پر اقدام کرنے میں ہلاکت ابدی (آخرت کے تباہ ہونے کا) خطرہ ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی کو اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھے۔(۱۹)

اسلامی نظام عدل میں صرف متقی اور بے لوث شخص کو قاضی بنایا جاسکتا ہے۔ ایسے قاضی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

”حاکم جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں صحیح نتیجے پر پہنچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس نے اجتہاد کیا اور اس سے خطا ہوگئی تو جب بھی اسے ایک اجر ملے گا۔“(۲۰)

مخلص اور بے لوث قاضی کے لئے عہدہ قضاء باعث جنت ہے مگر ظالم اور لالچی قاضی کے لئے یہی عہدہ قضا دوزخ کا باعث بن جائے گا۔ احادیث کے مطالعہ سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ منصب قضاء کی خواہش و طلب سے پرہیز کیا جائے اور اگر بغیر طلب کے یہ ذمہ داری سونپ دی جائے تو اللہ تعالیٰ قاضی کا معاون و مددگار بن جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اپنی مرضی سے منصب قضا قبول کرنے میں اجازت ہے لیکن عزیمت یہ ہے کہ اسے قبول کرنے سے پرہیز ہی کیا جائے۔(۲۱)

شہادت کا معیار

عدل کے دیگر نظاموں میں ہر کس و ناکس کو شہادت دینے کی اجازت ہے خواہ

ان کا کردار کتنا ہی گھناؤنا کیوں نہ ہو۔ ضروری صرف یہ ہے کہ اسکے ہوش و حواس قائم ہوں اور اپنی بات کو سمجھتا ہو لیکن اسلامی نظام عدل میں شہادت کا کڑا معیار قائم کیا گیا ہے۔ گواہی خوف خدا کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے دی جاتی ہے۔ چنانچہ علماء اسلام نے لکھا ہے:

"شہادت دینے والا عاقل بالغ مسلمان ہو' آزاد ہو' اندھا نہ ہو' گونگا نہ ہو' سننے والا ہو' حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو' صاحب مروت اور قابل اعتبار ہو' وہ کسی طرح جھوٹا اور جھوٹی شہادت دینے کے ساتھ متصف نہ ہو۔ (۲۲)

شاہ ولی اللہ کا قول ہے:

"جو شخص کسی کی نسبت دل میں کینہ رکھتا ہو یا کھانے پینے میں کسی کا طفیلی ہو اس کی شہادت بھی قابل پزیرائی نہیں۔" (۲۳)

مصادر و مراجع

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کے قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت سے چوری سرزد ہوئی۔ مقدمہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ عورت کے خاندان والوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کرنے کے لئے بھیجا۔ اس پر آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کی جاتی۔

و ایم اللہ لو ان فاطمة بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سرقت لقطع محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یدھا۔

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی چوری کا فعل سرزد ہو جاتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے۔ (الجامع الصحیح للبخاری' قدیمی کتب خانہ' کراچی ۱۹۶۱ء' ج ۲' ص ۱۰۰۳)

(۲) غزوہ بدر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیر کی لکڑی سے صفیں درست فرما رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہ انصاری رضی اللہ عنہ جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لکڑی سے اس کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا: "استوا یا سواد" اے سواد برابر ہو جاؤ۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو عدل و انصاف کے لئے بھیجا ہے۔ آپ نے مجھے تکلیف دی ہے میں قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تامل اپنے پیٹ مبارک سے کپڑا اٹھایا کہ قصاص لے لو۔ وہ فوراً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ کر بوسے لینے لگے۔ آپ نے پوچھا تمہیں اس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا۔ عرض کیا جنگ کا موقع ہے میں نے چاہا کہ میرا جسم آپ کے جسم پاک کو چھوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بھلائی کی دعا فرمائی۔ (ابن کثیر' البدایہ والنھایہ' المکتبۃ القدوسیہ' اردو بازار لاہور' ۱۹۸۴' ج ۱۳ ۲۷۲)

(۳) عبدالستار خان نیازی' اسلامی عالمی نظام کی ضرورت' نوائے وقت' ۲ فروری ۱۹۹۳ء

(۴) النساء: ۶۴

(۵) فاطر: ۱۸

(۶) البقرہ: ۲۸۶

(۷) النحل: ۹۰

(۸) السرخسی: ابو بکر محمد بن احمد' المبسوط' مطبعۃ السعادۃ مصر' ج ۱۶' ص ۴۳

(۹) محمد حمید اللہ' ڈاکٹر' عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی' اردو اکیڈمی کراچی' ص ۱۷۵

(۱۰) Asif Saeed Khosa, The Constitution of Pakistan, 1973, P-133

(۱۱) صفدر محمود' ڈاکٹر' آئین پاکستان' جنگ پبلشرز لاہور' ۱۹۹۱ء ص ۴۳

(۱۲) البقرہ : ۲

(۱۳) الزلزال : ۹

(۱۴) الوکیع' اخبار القضاۃ بحوالہ مجاہد الاسلام قاسمی' اسلامی عدالت' فیس بکس لاہور' ص ۱۶

(۱۵) ریاض الحسن نوری' اسلام کا نظام عدل گستری' منہاج' عدل غیر' حصہ دوم' جنوری ۱۹۸۴' ص ۱۴۴

(۱۶) شاہ ولی اللہ' حجۃ اللہ البالغہ' المکتبۃ السلفیہ' لاہور' ۱۹۷۵' ج ۲' ۱۵۸

(۱۷) الجامع الصحیح للبخاری (ترجمہ عبدالحکیم اختر) حامد اینڈ کمپنی لاہور' ۱۹۸۲ء' ج ۳' ص ۷۴۴

(۱۸) محمد بن یزید' سنن ابن ماجہ' ایچ۔ ایم سعید کمپنی' کراچی' ص ۱۴۸

(۱۹) شاہ ولی اللہ' حجۃ البالغہ' ص ۱۶۶

(۲۰) محمد بن مسلم' الجامع الصحیح' قدیمی کتب خانہ' کراچی' ۱۹۵۶' ج ۲' ص ۷۶

(۲۱) ابو بکر خصاف' احمد بن عمر' شرح ادب القاضی (ترجمہ سعید احمد) ادارۃ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' ۱۹۸۷' ج ۱' ص ۴۷

(۲۲) منیر احمد مغل' اسلام میں قاضی کی حیثیت و اہمیت' منہاج' عدل غیر' حصہ دوئم' ص ۲۰۸

(۲۳) شاہ ولی اللہ' حجۃ البالغہ' ص ۱۶۷